السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حدیث بتیراء

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

ایک اہل حدیث دوست کی عنایت سے کبھی کبھار ''الہدیٰ،، دیکھنے کو مل جاتا ہے،اس کی اشاعت مورخہ یکم اکتوبر 1952ء میں ایک رکعت وتر کی بابت مولوی اعظم گڑھی کا ایک مفصل فتوی نظر سے گزرا، یہ مولوی صاحب افتاء کے اہل ہیں یا نہیں؟اس کو تو وہ خود ہی خوب جانتے ہوں گے!ہم نے تو ان کا یہ فتوی پڑھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ انہوں نے اپنے اس تنقیدی فتوی کے ذریعہ اہل حدیث جماعت کی کوئی اچھی نمائندگی نہیں کی ہے۔

ادارہ ''الہدیٰ،، نے اگر اس تحریر کو بجائے فتوی کے ایک مضمون کی حیثیت سے شائع کیا ہوتا ،تو چنداں مضائقہ نہیں ہوتا کہ مضمون نگار ہر قسم کے ہوتے ہیں ،اور رسالہ اخبار کی پوزیشن اور اغراض ومقاصد سے بسا اوقات بے نیاز ہوکر،کیا کچھ نہیں لکھ ڈالتے حتی کہ اگر ادارہ ان پر اعتماد کرکے ان کا ہر مضمون شائع کردیا کرے ، تو انتخاب کے بعد بھی پورا مضمون جوں کو توں کردیا کرے ، تو پھر اس رسالہ یا اخبار کی خیر نہیں۔

سطور ذیل میں مولوی صاحب موصوف کے اس فتوی پر سرا سری نظر ڈالنی مقصود ہے ،اور امید ہے وہ آئندہ اخذ ونقل اور تنقید وکلام میں احتیاط سے کام لیں گے۔

مولوی صاحب موصوف نے سوال اس ڈھنگ سے بنایا ہے کہ اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ جو تین رکعت سے کم وتر کے قائل نہیں ہیں ،اپنے مذہب پر صرف یہی ایک دلیل (حدیث بتیراء) رکھتے ہیں اور فقط اسی ایک حدیث پر ان کے اعتماد ہے۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ، یہ حدیث تو من جملہ ان کی متعدد دلائل کے ایک دلیل ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کو محض تائیدا پیش کرتے ہیں ،اور ان کا اعتماد دراصل دلائل قویہ پر ہے ، جیسا کہ بدائع ،شرح معانی الآثار، شروح ہدایہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

مولوی صاحب نے ''بتیراء،، کے دو جواب دیے ہیں۔

پہلا الزامی، دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب میں انہوں نے حدیث بتیرا حدیث بتیرا سے جو ضعیف ہے ایک رکعت وتر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو حدیث ابوہریرہ سے جو صحیح ہے مشابہ مغرب تین رکعت وتر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ پس احناف کو چاہے کہ جیسے ایک رکعت وتر نہیں پڑھتے ،تین رکعت بھی مشابہ مغرب کے وتر نہ پڑھیں۔ مطلب آپ کے اس لکھنے کا یہ ہوا کہ اہل حدیث نے ایک ضعیف حدیث (حدیث بتیراء) کا خلاف کیا ہے، تو کیا ہوا!حنفیہ نے تو صحیح حدیث مذکور) کا خلاف کیا ہے۔ (حدیث ابوہریرہ

کی یہ حدیث مشترک الالزام ہے۔ اگر بظاہر ہمارے حنفیہ کے خلاف ہے تو اہل حدیث کے بھی خلاف ہے ، کیونکہ علماء اہل حدیث تین رکعت وتر کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ افضل کہتے ہیں، ادباً گزارش ہے کہ حضرت ابوہریرہ اگرچہ عوام اہل حدیث کا عمل ایک رکعت پر زیادہ ہے، اس لحاظ سے اہل حدیث پر ڈبل الزام عائد ہوتا ہے یعنی : یہ کہ انہوں نے دو حدیث (حدیث بتیراء ، حدیث ابوہریرہ) کی مخالفت کی ہے، رہ گیا مغرب کی مشابہت کا معاملہ تو اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے تین رکعت وتر قولاً وعملاً ثابت ہے ، اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث مذکور میں تین رکعت وتر سے منع کیا گیا ہے ، اس لیے ہر دو فریق اہل حدیث وحنفیہ ان احادیث کی توجیہ ان ان کے درمیان تطبیق دینے پر مجبور ہیں اور چوں کہ تطبیق کی کوئی خاص نوعیت اور جہت متعین ومنصوص نہیں ہے۔ اس لیے ہر صاحب نظر وفکر احادیث متعارضہ کے الفاظ ونیز دیگر احادیث متعلقہ کو سامنے رکھتے ہوئے تطبیق دینے کا مجاز ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں توفیق وتطبیق میں تعداد اور تنوع واختلاف غیر مستبعد بلکہ گزیر ہے۔ چنانچہ یہاں تطبیق کی حسب ذیل صورتیں نکالی گئی ہیں :

منع والی حدیث (حدیث ابوہریرہ) کا مورد وہ تین رکعت ہے جو دو قعدہ اور (1)

اور ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائے ، کیونکہ اس صورت میں وتر ، مغرب کی نماز کے مشابہ ہوجائے گی۔ اور جواز والی حدیثیں محمول ہیں اس صورت پر کہ جس میں وتر کی تین رکعت ایک قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائے ، حافظ ابن حجر شافعی نے اسی طرح تطبیق دی ہے ، اور امیر یمانی نے شرح بلوغ المرام میں اس کی تحسین کی ہے ، اور علامہ نیموی کے جواب میں صاحب تحفۃ الاحوذی نے اس توجیہ کی تائید وتقویت کی ہے۔

تین رکعت وتر بہر حال دوقعدہ ایک سلام کے ساتھ ہونی چاہیے ، منع کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب کہ صرف وتر پر اکتفاء کیا جائے یعنی : اس سے پہلے سنت یا نقل نہ پڑھی جائے ، کیونکہ اس صورت میں وتر، مغرب کی (2)
فرض نماز کے مشابہ ہوجائے گی اس لیے کہ فرض مغرب سے پہلے سنت پڑھنا مندوب ومسنون نہیں ہے ، اورنہ نہ اس پر امت کا تعامل ہے گو مباح اور جائز ہے کما صرح بہ الشیخ ابن الھمام فی فتح القدیر اور جواز والی احادیث

کا محمل وہ صورت ہے جب کہ وتر سے پہلے دو رکعت سنت یا نقل ادا کرلی جائے ۔ یہ وجہ تطبیق ہمارے فقہاء حنفیہ ، امام طحاوی وغیرہ نے اختیار فرمائی ہے ۔

نہی محمول ہے کراہت پر، اور ثبوت والی احادیث محمول ہیں بیان جواز پر۔ (3)

پس احوط یہ ہے کہ تین رکعت پڑھی ہی نہ جائے نہ دوقعدہ اورایک سلام کے ساتھ ، اورنہ ایک قعدہ وایک سلام کے ساتھ ، کیوں کہ : ایک تشہد کے ساتھ ادا کرنے میں بھی مغرب کی فرض کے ساتھ فی الجملہ مشابہت موجود رہتی ہے ۔ یہ توجیہ شوکانی نے ختیار کی ہے ۔

جواز کا تعلق دوسلام والی صورت کے ساتھ ہے اور نہی کا تعلق ایک سلام (4)

والی صورت کے ساتھ ، خواہ دوقعدہ کے ساتھ ہو یا ایک قعدہ کے ساتھ ، یہ طریق مختار ہے محمد نصر مروزی ، یہ کہتے ہیں کہ : ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے ۔

: دو لفظوں کے ساتھ مروی ہے ہمارے نزدیک تیسری اورچوتھی تطبیق کی طرح پہلی وجہ تطبیق بھی مخدوش ہے ۔ اس لیے کہ حدیث ابوہریرہ

.(۔ '' لا توتروا بثلاث تشبھوا بالمغرب ، ولکن أوتروا بخمس أو بسبع أو تسع أو باحدی عشر رکعۃ ، او أکثر من ذلک ،، (بیھقی 31/3، کتاب الوتر للمروزی ص : 125، طحاوی 1/192، مسندرک للحاکم 11/304

(لا توتروا بثلاث ، أوتروا بخمس أو سبع ، ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب ،، (دار قطنی 2/25-26,, -1

پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر نہ پڑھو اگر تین رکعت پڑھوگے تو اس کو مغرب کی نماز کے مشابہ کردوگے ، پانچ رکعت وتر پڑھو، یا سات رکعت ، یا نو رکعت ، یا گیارہ ، یا اس سے بھی زیادہ ، معلوم ہوا کہ نہی کا محط اور منع کا مورد تشبیہ بمغرب نہیں ہے ، بل کہ تین کا عدد ہے اوراس کا تشبہ بمغرب لازم ہے جب بھی تین رکعت پڑھی جائے اور جس ہیئت کے ساتھ بھی پڑھی جائے گی مشابہت بمغرب محقق ہوجائے گی ۔ اس مشابہت کے رفع کا طریقہ خود اسی حدیث کے آگے جملہ میں مذکور ہے ، ارشاد ہے : '' ولکن أوتروا بخمس ،، الخ معلوم ہوا کہ وتر تین رکعت کے بجائے پانچ یا سات یا نو یا گیارہ ادا کرنا چاہیے اس طرح پر کہ تین رکعت (وتر) سے پہلے دو چار یا چھ یا آٹھ رکعت نفل ادا کرلی جائے ، ظاہر ہے کہ حافظ کی ذکر کردہ وجہ تطبیق سے دونوں حدیثوں (حدیث منع ، وحدیث جواز) کا اختلاف دور نہیں ہوا کیوں کہ حضرت ابوہریرہ کی اس روایت میں مطلقا تین رکعت وتر سے منع کردیا گیا ہے اور تین رکعت پڑھنے پر مغرب کی مشابہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے ، اور تین کے بجائے پانچ ، سات ، نو گیارہ ، پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کی نظر سے روایت کے یہ الفاظ گزرے نہیں یا گزرے تو لیکن انہوں نے قابل التفات نہیں سمجھا ۔

: دوسری روایت میں مستقل طور پر دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے

۔ ایتار بالثلث اور تشبیہ بصلاۃ المغرب اب اگر تین رکعت پڑھنا ہی تشبیہ بمغرب ہے ، تو وہی سابق اشکال یہاں بھی بعینہ پیدا ہوجائے گا اور اگر تشبیہ سے مقصود کسی خاص صفت سے ادا کرنا ہے ، تو اس خاص صفت اور ہیئت کی 1 تعین پر کوئی قرینہ ہونا چاہیے ، جو اس امر پر دلالت کرے کہ اگر اس مخصوص صفت کے ساتھ تین رکعت ادا کی جائے تو مغرب کے ساتھ مشابہت ہوجائے گی ، اور اگر اس ہیئت کے علاوہ دوسری ہیئت پر ادا کی جائے تو مشابہت نہیں ہوگی ، اور معلوم ہے کہ حافظ کی ذکر کردہ ہیئت (ایک قعدہ اور ایک سلام والی تین رکعت) پر اس قسم کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے ، علاوہ بریں اس تطبیق کے رو سے '' لا تشبھوا ،، پر تو بظاہر عمل ہوجاتا ہے لیکن دوسرے جملہ کا '' لا توتروا بثلاث ،، پر عمل نہیں ہوتا یعنی : اس نہی کی حافظ نے کوئی توجیہ بیان نہیں کی ۔ ف فیہ إعمال کلمۃ واہمال کلمۃ أخری ، ونیز یہ توجیہ جملہ '' اوتروا بخمس ،، الخ سے بھی صرف نظر کرلینے پر دلالت کرتی ہے ، او نیز یہ تطبیق اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس کو ابن حزم نے المحلی 3 47، نسائی 3 235، طحاوی 1 280-285، حاکم 1 304، بیھقی 3 31 ، دار قطنی 2 33 محمد بن نصر اللیل ص : 122 نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بایں لفظ روایت کیا ہے : ''کان لا یسلم فی رکعتی الوتر، وفی روایۃ : لا یسلم فی الرکعتین الأولیین من الوتر ،، وفی روایۃ : کان یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرھن ،، اس حدیث میں وتر کی دوسری رکعت پر صرف سلام کی نفی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی دوسری رکعت کے بعد قعدہ تشہد کیا کرتے تھے ، کیونکہ اگر سلام اور قعدہ تشہد دونوں کی نفی مقصود ہوتی تو لا یقعد یا لا یتشہد کہنا کافی تھا ۔ اس لیے کہ قعدہ تشہد فی الصلوۃ کی نفی سلام ، تحلیل صلوۃ کی نفی کو مستلزم ہے ، اور سلام کی نفی قعدہ تشہد کی نفی کو مستلزم نہیں ہے کما لا یخفی ، اسی لیے بیھقی شافعی نے اس حدیث پر یہ باب منعقد کیا ہے : '' باب من اوتر بثلاث موصولات بتشھدین و تسلیم ،، (السنن الکبری 3/31) اور ابن حزم نے محلی 3 47 میں وتر کی ان تمام صورتوں کو جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں بالتفصیل بیان کرتے ہوئے بارہویں صورت اس طرح تحریر کی ہے : '' والثانی عشر : ان ایصلی ثلاث رکعات ، یجلس فی الثانیۃ ، ثم یقوم دون التسلیم ، ویأتی بالثالثۃ ، ثم یجلس ، ویتشھد کصلاۃ المغرب ، وھو اختیار أبی حنیفۃ ،، انتھی ، پھر اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور بایں لفظ روایت کی ہے : '' إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ن لا یسلم فی رکعتی الوتر ،، (محلی 47/3

معلوم ہوا کہ بیھقی شافعی اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس روایت سے یہی سمجھا ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے ، پس حافظ کی تطبیق (ایک قعدہ اور ایک سلام) بلاشبہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے ۔ اور اگر ان تمام امور سے قطع نظر کرکے غور کیا جائے تو یہ وجہ تطبیق ہمارے لیے مضر بھی نہیں ، کیونکہ اس کا حاصل اسی قدر تو ہے کہ دونوں نمازوں (وتر اور مغرب) میں سے ایک نماز میں ایک عمل کی زیادت اور دوسری نماز میں اس کی کمی سے مشابہت بمغرب مرتفع ہوجائے گی ۔ اور ظاہر ہے کہ دوقعدہ اور ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر میں دعاء قنوت کی زیادت سے نماز وتر مغرب کی مشابہ باقی نہیں رہتی ، اور شوکانی کی ذکر کردہ تطبیق اس لیے صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اکثر تین رکعت وتر پڑھنا مروی ہے ، پس اس کو مکروہ کہنا صحیح نہیں ۔ اکثریت دلیل ہے اس کی افضلیت واولیت کی ، بیان جواز کے لیے کبھی کبھار کرلینا کافی ہے ۔

اور محمد بن نصر مروزی کی توجیہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فصل بالسلام کی وجہ سے تیسری رکعت نئی تحریمہ سے شروع ہوئی تو اصل وہی رکعت وتر ہوئی اور پہلی دو رکعتیں دو رکعتیں اس سے الگ رہیں ، پھر تین رکعت وتر نہیں ہوئی بلکہ صرف ایک رکعت ہوئی ۔ اور آں حضرت ﷺ سے بقول ابن الصلاح کے وتر ایک رکعت فرد ثابت ہی نہیں ۔ نیز بتیراء سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے ، لہذا صحیح توجیہ وتطبیق وہی ہے جو ہمارے علماء حنفیہ نے اختیار کی : ہے امام طحاوی شرح معانی الآثار 1 185 میں فرماتے ہیں : ''کرہ إفراد الوتر حتی یکون معہ شفع ،، انتہی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول : ''کان الوتر سبعا اور خمسا ، والثلاث بتیراء ،، روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں

فکرہت أن یجعل الوتر ثلاثا، لم یتقد مہن شیٔ حتی یکون قبلہن غیرہن ،، انتہی، مقصود یہ ہے کہ آپ نے وتر سے پہلے نفل پڑھ لینے پر ابھارا ہے۔ اگر یہ نفل دو رکعت ہو تو مجموعہ پانچ ہوگا اور اگر چار رکعت ہو تو مجموعہ سات ہوگا۔ وہکذا ''
–

میں وتر سے صرف وتر اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ معنی اعم مراد ہے جو صلوۃ اللیل اور وتر مصطلح دونوں کو شامل ہے۔ ابوداؤد 1 127، اور طحاوی 1 185 ''عن عبداللہ بن قیس قال: قلت لعائشۃ پس حدیث ابوہریرہ بکم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر؟ قالت: یوتر باربع وثلاث، وست وثلاث، وثمان وثلاث، وعشر وثلاث الخ،، تفصیل جامع الترمذی '' باب الوتر بسبع ،، 2 319 ملاحظہ ہو۔

: حنفیہ کے اس قول کی کہ حدیث ابوہریرہ میں تین رکعت وتر سے پہلے شفع پڑھنے کی تاکید مقصود ہے، تائید و تقویت آثار ذیل سے بھی ہوتی ہے

-(عن ابن عباس: الوتر سبع او خمس ولا نحب ثلاثا بترا،، وفی روایۃ: ''إنی لأکرہ أن یکون ثلاثا بترا، ولکن سبع أو خمس،، (شرح معانی الآثار 1/286(1)

.،، وعن عائشۃ: ''الوتر سبع أو خمس، وإنی لأکرہ أن یکون ثلاثا بترا،، . وفی لفظ: ''أدنی الوتر خمس'' (2)

کے نزدیک وتر تین رکعت ہے، لیکن صرف تین رکعت پر اکتفا کرنا یعنی: اس سے پہلے نفل نہ پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ میں فجر کی یہ آثار صاف طور سے دلالت کرتے ہیں کہ اس امر پر کہ حضرت عائشہ ھ، وابن عباس نماز صرف دو رکعت اچھا نہیں سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ فجر کی سنت کے بغیر صرف دو رکعت فرض پر اکتفا کرنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

ہماری اس تفصیل سے صاحب تحفۃ الاحوزی کے اس الزام و اعتراض کا جواب بھی ظاہر ہوگیا جو انہوں نے علامہ شوکانی نیموی مرحوم کی تردید میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے: ''یلزم منہ (ای مما ذکرہ علماء نا لحنفیۃ من وجہ الجمع بین الحدیثین) أن یکون التطوع قبل الإیثار بثلاث واجبا وواللازم باطل، فالملزوم مثلہ،، انتہی-اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہماری توجیہ کی رو سے تین رکعت وتر سے پہلے ترک تطوع مکروہ ہے حرام نہیں ہے، جیسا کہ امام طحاوی میں وتر پانچ یا سات یا نو یا گیارہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک رکعت وتر لاشیٔ سمجھ کر چھوڑ دی گئی۔ کے قول: کرہ افراد الوتر سے ظاہر ہے، ہاں اہل حدیث کو چاہیے کہ ایک رکعت وتر نہ پڑھیں کیونکہ حدیث ابوہریرہ

: مولوی .... صاحب نے حدیث بتیراء کا تحقیق جواب کئی طرح دیا ہے

پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث آخر میں بتیراء کی تفسیر سے متعلق الفاظ (أن یصلی الرجل واحدیوتر بہا) کا مرفوع ہونا یقینی نہیں۔ احتمال ہے کہ یہ تفسیر (1)

کسی راوی نے کی ہو اور راوی کا فہم حجت نہیں۔ پھر مولوی صاحب نے اپنی تائید کے لیے ''درایہ،، 1 192 سے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ وہ عبارت مولوی صاحب کی تائید کی بجائے ان . کے جواب بالا کی تغلیط و تردید کرتی ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''وتعقب بأن فی حدیث أبی سعید نفسہ، أن یصلی الرجل واحدۃ یوتر بہا، وہذا مرفوع، أو من تفسیر الراوی، وہو أعلم روی،، انتہی

مولوی صاحب نے حافظ کے اس کلام کو سمجھا ہی نہیں ورنہ اس کو اپنی تائید میں ہرگز نہ ذکر کرتے۔ مولوی صاحب نے کتب اصول حدیث میں مدرج کی بحث پڑھی ہوگی جس میں یہ مرقوم ہے کہ: ''ویدرک ذلک (أی الإدراج) بوروده منفصلا فی روایۃ أخری، أو بالتنصیص علی ذلک من الراوی، أو بعض الأئمۃ المطلعین، أو باستحالۃ کونہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذلک،، (تدریب الراوی 267/1)، ''ولا یسوغ الحکم بالإدراج إلا إذا وجد ما یدل علیہ،، الخ (توجیہ النظر ص: 172) اور ادراج سے متعلق حافظ کا یہ کلام بھی نظر سے گزرا ہوگا۔ ''إن الاصل عدم الإدراج، حتی یثبت التفصیل فما مضموضا إلی الحدیث فہو منہ،، (فتح الباری

مولوی صاحب بتلائیں یہاں اس تفسیر کے مدرج ہونے پر کون سی دلیل ہے؟ اور جب کوئی ادراج کی نہیں ہے تو اس کے مرفوع ہونے میں شک کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض یہ تفسیر کسی صحابی یا نیچے کے کسی راوی کو ہو تو پھر بھی یہ بہر حال معتبر ہوگی۔ لأن الراوی أعلم بما روی کما قال الحافظ، ولأن تفسیر راوی الحدیث، مقدم علی تفسیر غیرہ کما قال الزیلعی، یہاں فہم راوی کی حجیت و عدم حجیت کی بحث بے محل ہے، راوی کے فہم کا حجت نہ ہونا اور چیز ہے اور اس کی اپنی روایت کردہ حدیث کی تفسیر و ترجمانی کا مقدم و معتبر ہونا شیٔ دیگر ہے۔

نے بتیراء کی یہ تفسیر کی ہے کہ دوسری رکعت ناقص رکوع و سجود کے ساتھ ادا کی جائے۔ اس تفسیر کی بناء پر حدیث بتیراء سے ایک رکعت وتر پڑھنے مولوی صاحب نے حدیث بتیرا کا دوسرا جواب یہ دیا ہے: ''حضرت ابن عمر کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی،، ۔

مولوی صاحب سنئے! اسی جواب پر حافظ نے تعقب مذکور بالا وارد کیا ہے دوبارہ پڑھیے: ''وتعقب، بأن فی حدیث ابی سعید نفسہ، ان یصلی الرجل، واحدۃ یوتر بہا، وہذا مرفوع، أو من تفسر الراوی، وہو أعلم بما روی،، اور حافظ زیلعی نصب الرایہ (2/120، 172) میں ابن عمر رضی اللہ عنما سے مروی تفسیر بتیراء والی حدیث کے بعد لکھتے ہیں: ''وہذا إن صح عن ابن عمر ففی حدیث النہی مایردہ، وتفسیرہ راوی الحدیث مقدم علی تفسیرہ غیرہ، بل ظاہر اللفظ انہ من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم،، انتہی.

تیسرا جواب مولوی صاحب موصوف نے یہ دیا ہے کہ حدیث بتیراء ضعیف ہے اس کی سند میں عثمان بن محمد بن ربیعہ واقع ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ عبدالحق اشبیلی نے ''الاحکام،، میں اور ابن القطان نے ''الوہم والایہما،، (3) .،، میں لکھا ہے: ''الغالب علی حدیث عثمان بن محمد الوہم

علامہ ابن الرکمانی اس کا یہ جواب دیتے ہیں: ''ہذا الکلام خفیف، وقد أخرج لہ الحاکم فیا المستدرک،، (الجوہر النقی مع السنن الکبری 73/2) علاوہ بریں یہ معلوم ہے کہ ابن القطان الفاسی متعنت و متشدد ہیں، ذہبی لکھتے ہیں: '' طالعت کتابہ المسمی بالوہم والإیہام، الذی علی الأحکام الکبری لعبد الحق، یدل علی حفظہ وقوۃ فہمہ، لکنہ تعنت فی احوال رجال فما انصف، بحیث أنہ أخذ یلین ہشام بن عروۃ ونحوہ،، انتہی (تذکرۃ الحافظ 4/1407) بہر کیف عثمان بن محمد ایسے راوی ہیں کہ ان کی روایت قابل احتجاج ولائق استناد نہ ہو۔

تنبیہات

: مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ حدیث بتیراء بالاتفاق ضعیف و مرسل ہے اس پر عرض ہے کہ اس حدیث کے دو طریق ہیں (1)

۔ ابن عبدالبر کا ''تمہید،، میں روایت کردہ طریق ۔ 1

2۔ محمد بن کعب قرظی کا طریق، جس کو نووی نے ''خلاصۃ،، میں بغیر کسی مخرج کی طرف منسوب کئے ہوئے ذکر کیا ہے۔

پہلا طریق مرسل نہیں، بلکہ موصول ہے اور اس کی صرف عقیلی، ابن القطان، عبدالحق، حافظ ابن حجر نے تضعیف کی ہے۔ اس تضعیف کی وجہ مع جواب کے گزر چکی ہے، پس اس حدیث کو بالاتفاق ضعیف و مرسل کہنا غلط و مردود ہے

البتہ دوسرا طریق مرسل ہے اور اسی طریق کو نووی، اور عراقی نے ''مرسل ضعیف،، کہا ہے اور ابن حزم نے ''غیر صحیح،، لکھا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ حدیث مرسل جمہور اصولیین وائمہ کے نزدیک حجت ہے لاسیما إذا اعتضد بالموصول – بہرحال حدیث بتیراء کو مطلقا ضعیف، مرسل کہنا غلط اور باطل ہے۔

(2) مولوی صاحب لکھتے ہیں ''احکام الاحکام شرع عمدۃ الاحکام،، میں ہے : ''ذہبت الہادویۃ، وبعض الحنفیۃ إلی أنہ لا یجوز الإیتار برکعۃ،، الخ

افسوس ہے کہ آپ ''احکام،، اور اس کی تعلیق میں فرق وامتیاز نہ کرسکے، عبارت منقولہ احکام الاحکام کی نہیں ہے بلکہ حاشیہ کی ہے جس کا منصف نہ جانے کون ہے؟ اور اس نے یہ عبارت نیل الاوطار سے 2 278 سے لی ہے۔ کاش آپ نے ''نیل الاوطار،، ملاحظہ کرلیا ہوتا۔

(3) مولوی صاحب نے بذل المجہود کی عبارت ادھوری نقل کی ہے، پوری عبارت درج ذیل ہے اور اس میں آپ کی تردید بھی موجود ہے : 'قال القاری : وقد ورد النہی عن البتیراء ولو کان مرسلا، إذ المرسل حجۃ عند الجمہور انتہی (3) قال النووی فی الخلاصۃ : ''حدیث محمد بن کعب القرظی فی النہی عن البتیراء مرسل وضعیف،، (بذل 92/324)۔

یہ گزر چکا ہے کہ ہمارا اعتماد وصرف اس مرسل پر نہیں ہے اگرچہ وہ عند الجمہور حجت شرعی ہے۔

(4) آپ نے ''لسان المیزان 4 152 سے ابن القطان کا پورا کلام نہ جانے کیوں نقل نہیں کیا؟ ان کا بقیہ کلام یہ ہے کہ ''مالم یعرف عدالتہم، ولیس دون الدراوردی (عبدالعزیز بن محمد، شیخ عثمان بن محمد) من یغمض عنک، قلت (قائلہ الحافظ) : یرید بذلک عثمان وحدہ، ولإفباق الإسناد ثقات مع احتمال أن یخفی علی ابن القطان حال بعضہم،، انتہی.

اس حدیث کو شاذ کہنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ لسان سے ابن القطان کا ادھورا کلام نقل کرنا مولوی صاحب کے لیے کچھ مفید نہیں۔

عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 363

محدث فتویٰ